مسئلۂ سود
اور
غیر سودی مالیات

محمّد اکرم خان

سود اور مالیاتی نظام کے بارے میں ایک نہایت قیمتی مقالہ جس کے طبع ثانی کے موقع پر مولف نے اسے نہ صرف یہ کہ بھرپور طور پر نظرِ ثانی کے عمل سے گزارا ہے بلکہ بعض اہم اور مفید مباحث مزید بھی اس میں شامل کئے ہیں۔ (ادارہ)

اس مقالہ کا مقصد قرض کے معاملات میں سود کے چلن کا تجزیہ اور ایک غیر سودی مالیاتی نظام کے بنیادی خدوخال کی تشریح کرنا ہے۔

پاکستان کی تشکیل کے ساتھ ہی یہاں پر ایک خالص اسلامی معاشرہ کے قیام کی جدّوجہد شروع ہوگئی۔ مختلف دینی اور سیاسی جماعتوں نے اس کے لئے خلفائے راشدین کے دور کی طرز پر ایک اسلامی ریاست کے قیام پر زور دینا شروع کیا۔ یہ بات کہ موجودہ نظام حکومت اور معاشرہ ایک سرمایہ دارانہ تمدن پر مبنی ہے ہر ذہین آدمی کے ذہن میں یہ سوال پیدا کرتی تھی کہ موجودہ دور میں اسلام کے بنیادی اصول کس طرح نافذ کئے جائیں گے۔ ان میں سب سے پیچیدہ مسئلہ سود کا ہے۔ اسلامی نظام حیات کے نعرہ کے ساتھ ہی جہاں علمائے دین کی طرف سے سود کی حرمت اور بلاسودی مالیاتی نظام کا نقشہ پیش کئے جانے کی متعدد کوششیں ہوئیں وہاں جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں ایک ایسا ردِّ عمل پیدا ہوا جس کو ہم "ذہنی شکست" یا "علمی مرعوبیت" کا نام دے سکتے ہیں۔ اس طبقہ نے محسوس کیا کہ سود کا معاملہ اتنا پیچیدہ اور دقیق ہے کہ موجودہ مالیاتی نظام کو مکمل طور پر اکھاڑ پھینکے بغیر اسے ختم نہیں کیا جا سکتا، اور چونکہ ایسا عمل بہت بڑے عملی بحران پر منتج ہوگا لہٰذا ان کا ذہن اس طرف مائل ہوا کہ قرآن اور حدیث میں "رِبا" کی حرمت کو از سرِ نو دیکھا جائے۔ چنانچہ ان کی طرف سے

یہ مقدمہ قائم کیا جانے لگا کہ دراصل "ربا" اور "سود" دو مختلف چیزیں ہیں۔ جو چیز حرام ہے وہ ربا ہے اور جو رائج الوقت مالیاتی اداروں میں مروج ہے وہ سود ہے۔ اول الذکر بلاشبہ حرام ہے لیکن مؤخرالذکر جائز اور مباح ہے۔

اس مقدمہ پر 1960ء کے عشرہ میں بہت سا لٹریچر وجود میں آیا۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے علاوہ چند ایک علماء نے بھی یہی موقف اختیار کیا۔ اس کے جواب میں پچھلے تیس سالوں میں ہزاروں صفحات پر مبنی سینکڑوں مضامین' مقالات اور کتب لکھی گئی ہیں' جن میں دو ٹوک اور مضبوط دلائل کی روشنی میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ دراصل "ربا" اور "سود" ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ اس عرصہ میں بیسیوں کانفرنسوں اور سیمینارز میں اَن گنت مسلم معاشیات دانوں' علماء اور مفکرین نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ان اجتماعات میں سے اکثر کی کارروائیاں چھپ چکی ہیں اور حاصل کی جا سکتی ہیں[1]

نومبر 1991ء میں پاکستان کی وفاقی شرعی عدالت نے بھی مسئلہ سود پر اپنے تاریخی فیصلہ میں اس موضوع پر بہت سا قیمتی مواد جمع کیا ہے۔ اس فیصلہ میں بہت وضاحت سے دکھایا گیا ہے کہ عربی لغت' قرآن کا متن' اہم تفاسیر' احادیث' احادیث کی تشریح' فقہ اور تاریخ سب اس بات کا حتمی ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ سود اور ربا ایک ہی چیز کے دو نام ہیں[2] اس کے علاوہ مسلمان امت کے بڑے بڑے اجتماعی ادارے' مثلاً او آئی سی (O.I.C) کی فقہ اکیڈمی' ہندوستان کی فقہ اکیڈمی' اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان' جامعہ ازہر وغیرہ میں سینکڑوں علماء نے بار بار بالاتفاق یہ رائے دی ہے کہ ربا اور سود ایک ہی چیز کے دو نام ہیں اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے[3]

اتنی زیادہ شہادتیں جمع ہو جانے کے بعد یہ بات بلاخوف و خطر کہی جا سکتی ہے کہ اس بات پر امتِ مسلمہ کا اجماع ہے کہ سود اور ربا ایک ہی چیز ہے اور سود حرام ہے۔ اس بحث کے بعد اور اتنے شواہد کی موجودگی میں اب یہ بات تحصیلِ حاصل کے مترادف ہے کہ از سرِ نو اس بحث کو چھیڑا جائے اور ثابت کیا جائے کہ ربا اور سود ایک ہی چیز ہے' لیکن حال ہی میں پاکستانی اخباروں میں بہت سے مضامین اور خطوط ایسے چھپے ہیں جنہوں نے اس بحث کو از سرِ نو چھیڑا ہے[4] اگرچہ اس بحث کا مختصر جواب تو یہی ہے کہ یہ بحث لٹریچر سے بے خبری کی بنیاد

پر دوبارہ شروع کی گئی ہے اور جس کی تسلی نہ ہو وہ مشاہیر کی تحریروں کو دیکھ لے اور پھر جن سوالات کا جواب نہ ملے وہ بیان کرے، لیکن یہ دیکھ کر کہ سب لوگوں کی رسائی اس لٹریچر تک نہیں ہے ہم انتہائی اختصار سے یہاں پر اس موضوع پر چند بہت ہی اہم دلائل کا ذکر کرتے ہیں اور سود اور ربا کے فرق پر عام طور پر دیئے گئے دلائل کی کمزوری واضح کرتے ہیں۔

I- رِبا اور سُود کا فرق

ا- پیدا آور اور صرفی قرضوں کا فرق

ربا اور سود میں فرق کرنے والے عام طور پر یہ دلیل دیتے ہیں کہ ربا دورِ جاہلیت میں رائج صَرفی قرضوں پر ایک ظالمانہ زیادتی کا نام تھا، جس سے غریب کی خون پسینے کی کمائی مہاجن لے جاتا تھا۔ شریعت اسلامی نے اس ظلم کو حرام قرار دیا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اُس دور میں تجارتی قرضوں کا رواج نہ تھا، چنانچہ تجارتی قرضوں پر سود ظلم نہیں ہے، کیونکہ اس میں کاروباری حضرات جو سرمایہ قرض پر لیتے ہیں اس سے مزید دولت کماتے ہیں اور اس میں سے ایک حصہ سود کی شکل میں صاحبِ مال کو دیتے ہیں۔ اس مقدمہ میں چند در چند غلطیاں ہیں:

اوّل، یہ بات اصولِ شریعت کے خلاف ہے کہ صرف انہی معاملات پر شریعت کے قواعد کا اطلاق کیا جائے جو حضور ﷺ کے زمانے میں رائج تھے، جیسے کہ اگر کوئی کہے کہ "خَمر" کی حرمت میں صرف وہ شرابیں حرام ہوں گی جو اس زمانے کے عرب پیا کرتے تھے تو یہ دلیل بیّن طور پر غلط ہے، اس لئے کہ اس سے حرمتِ خمر ختم ہو سکتی ہے۔

دوم، تاریخی طور پر یہ ایک مسلّمہ امر ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں عربوں میں تجارتی قرضوں کا رواج عام تھا[۵] بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ زیادہ تر قرضے

تجارتی مقاصد کے لئے تھے تو مبالغہ نہ ہوگا' کیونکہ وہ ایک قبائلی معاشرہ تھا جس میں تنگ دست کی کفالت اور دیکھ بھال قبیلہ خود کرتا تھا (جیسے کہ شعبِ ابی طالب کے زمانہ میں خود حضور ﷺ کے ساتھ ہوا) اور قبیلہ کے لئے یہ بات باعثِ ننگ وعار تھی کہ اس کا کوئی فرد اپنی بنیادی ضرورت کے لئے سود پر قرض لے' لیکن اگر کہا جائے کہ صرفی قرضے بھی متداول تھے تو تجارتی قرضوں کے رواج کا تاریخی طور پر ثبوت موجود ہے۔

سوم' یہ بات بھی ہرحال میں صحیح نہیں ہے کہ کاروباری حضرات جو سود ادا کرتے ہیں وہ اپنے نفع کا ایک حصہ دیتے ہیں۔ بعض اوقات ایسا ہو سکتا ہے کہ کاروباری مقروض کو نفع نہ ہو بلکہ نقصان ہو' سود تو اسے پھر بھی دینا ہی پڑے گا۔ اس صورت میں ظلم کی شکل واضح طور پر پیدا ہو جاتی ہے۔

چہارم' یہ بھی ایک دھوکہ ہے کہ تجارتی اموال میں سود ظلم نہیں ہے' حقیقت یہ ہے کہ مرکب سود میں ظلم اس طرح پنہاں ہے کہ عام آدمی کو نظر نہیں آتا۔ مثال کے طور پر پاکستان میں ڈیفنس سیونگ سکیم پر اگر آج 100 روپے جمع کرائے جائیں تو دس سال بعد 442 روپے ملتے ہیں۔ دیکھنے میں تو یہ شرح سود 34.2 فی صدی ہے لیکن اگر کوئی یہ انتظام کرے کہ یہ رقم 100 سال تک اسی طرح سود پر لگی رہے تو یہ جمع ہو کر 279,116,294 روپے ہو جائے گی۔ گویا حقیقی شرح سود 27 لاکھ فی صدی سالانہ ہوئی۔

ایک اور مثال لیجئے۔ جرمنی میں اوٹو ایف شون بیک (Otto F. Shoenbeck) نے 1972ء میں 100 مارک 250 سال کے لئے سات فی صدی شرح سود پر جمع کرا دیئے اور بینک سے معاہدہ کر لیا کہ 2222ء میں اس کے لواحقین کو اصل بمع سود واپس کر دیا جائے۔ اس سال یہ رقم 221,179,400 مارک ہو چکی ہوگی' اور اس کی حقیقی شرح سود 887,169 فی صد ہوگی۔ کیا ہم اسے

غیر ظالمانہ کہہ سکتے ہیں؟

ایک اندازہ کے مطابق امریکہ میں اس وقت کارپوریشنز کے ادھار کا یہ عالم ہے کہ اگر شرح سود میں ایک فیصد اضافہ ہو جائے تو ادھار کا بوجھ دو سے تین بلین ڈالر بڑھ جاتا ہے۔ غرضیکہ یہ کہنا کہ تجارتی قرضوں پر سود کوئی ایسا بوجھ نہیں جسے ظلم کہا جا سکے اس کے اصل روپ سے بے خبری کی وجہ سے ہے۔

پنجم' یہ کہنا بھی ٹھیک نہیں ہے کہ آج کل کے دور میں زیادہ قرضے تجارتی ہیں اور صَرفی قرضے کم ہیں۔ اگر ہم کسی بھی ملک کی معیشت کا مطالعہ کریں تو ہمیں پتہ چلے کہ آج کل سب سے زیادہ قرضے تو حکومتوں نے لے رکھے ہیں جن کا زیادہ استعمال صرفی نوعیت کا ہے۔ خود پاکستان ہی کو دیکھیں' جون 92ء تک حکومت پاکستان نے صرفی ضرورتوں کے لئے حسب ذیل قرضے لے رکھے تھے:

نیشنل سیونگ سکیموں سے	164 :	ارب روپے
تجارتی بینکوں سے	25 :	ارب روپے
سٹیٹ بینک سے	113 :	ارب روپے
کُل	302 :	ارب روپے

(ماخذ: سٹیٹ بینک رپورٹ 1992-93ء ص 36' 89' 189)

جب کہ اسی تاریخ کو پوری پاکستانی قوم کی بچتیں حسب ذیل تھیں۔

نیشنل سیونگ سکیموں کے حوالے سے	164 :	ارب روپے
بینکوں میں میعادی بچتیں	258 :	ارب روپے
کل	422 :	ارب روپے

(ماخذ: سٹیٹ بینک رپورٹ 1992-93ء ص 34' 89)

ان اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ 30 جون 92ء کو پوری قوم کی بچتوں کا 71

فی صدی حصہ حکومت نے اپنی صرفی ضرورتوں کے لئے قرض لے رکھا تھا۔ حکومت یہ قرض غیر ترقیاتی کاموں پر خرچ کرتی ہے جیسے دفاع' تنخواہیں وغیرہ۔ مزید برآں بہت بڑے پیمانے پر اِس وقت دنیا میں صرفی قرضے کریڈٹ کارڈ' ہاؤسنگ فنانس اور دیگر اثاثہ جات کی خریداری کیلئے لئے جاتے ہیں۔ امریکہ میں ایسے قرضوں کے بارے میں اندازہ لگایا گیا ہے کہ وہ کل قرضوں کا 13 فی صد ہیں۔ ایسے حالات میں یہ دعویٰ کہ آج کل کے دور میں زیادہ تر قرضے پیداآوری ہیں حقیقت کے خلاف ہے۔

ب۔ سُود اور افراطِ زر سے روپے کی قدر میں کمی کا مسئلہ

سود کے حق میں ایک دلیل یہ دی جانے لگی ہے کہ آج کل کے دور میں افراطِ زر کے مسلسل رجحان سے روپے کی اصل قدر و قیمت میں کمی ہو رہی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے قرض پر کوئی رقم بطورِ سود زائد وصول کرتا ہے تو وہ اصل میں زر کی قدر میں اس کمی کی تلافی ہی ہے۔ اس وجہ سے سود کو برا نہیں کہا جا سکتا' بلکہ یہ تو انصاف قائم کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ یہ دلیل بھی کئی اعتبارات سے کمزور ہے:

اوّل' افراط زر صرف قرض خواہ ہی کو متأثر نہیں کرتا' بلکہ وہ معاشرہ کے دیگر افراد جیسے کہ تنخواہ دار طبقہ' مزدور طبقہ' چھوٹے دکان دار' پنشنرز' کرایہ کی آمدنی پر انحصار کرنے والے وغیرہم کو بھی متأثر کرتا ہے۔ لیکن ان میں سے کسی کی بھی تلافی کی بات نہیں کی جاتی بلکہ صرف صاحبِ سرمایہ طبقہ کے تحفظ کا سوال پیدا کیا جاتا ہے۔ اگر معاشرتی انصاف ہی مقصود ہے تو ہر طبقہ کے ساتھ ہونا چاہئے۔ غور کریں کہ اگر سب کی تلافی کا سوچیں گے تو معاشرہ میں کس قدر اہم تبدیلیاں لانا ہوں گی۔ اور اگر اس طرح عمومی اضافہ (General Indexation) کی جائے تو اس سے افراط زر کا ایک لامتناہی چکر شروع ہو جائے گا۔ اس موقع پر یہ جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ جن ملکوں نے افراطِ زر کا علاج عمومی اضافے (General Indexation) میں سمجھا انہیں اس مسئلہ کو حل کرنے میں کوئی خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی۔ بلکہ اس سے

افراط زر میں اضافہ ہی ہوا ہے۔[۸]

دوم' افراطِ زر کے ذریعہ سے قدر و قیمت میں کمی مقروض کے کسی عمل سے وجود میں نہیں آتی' پھر مقروض کو اس کی تلافی پر کیوں مجبور کیا جائے؟

سوم' خود افراط زر کی بڑی وجہ یہ سود ہی ہے' اس کے دو راستے ہیں۔ ایک تو سود لاگت پیداواری میں شامل ہو کر قیمتوں میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔ ایک خیالی مکمل مقابلے والی معیشت میں ہو سکتا ہے کہ ایسا نہ ہو' لیکن عملی دنیا جس میں مکمل مقابلہ کبھی وجود میں نہیں آتا اور اشیاء کی شکل و صورت' کوالٹی' برانڈ وغیرہ میں فرق کے ذریعہ سے قیمتوں میں فرق ڈالا جا سکتا ہے' وہاں سود لاگت پیداوار میں شامل ہوتا ہے اور نتیجہ قیمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

چہارم' اس نقطۂ نظر کے حامل لوگ اس کیلئے تیار نہیں ہیں کہ اگر قیمتوں میں کمی ہو جائے تو پھر قرض خواہ کم رقم وصول کرنے کیلئے راضی ہو گا۔

دوسرا راستہ یہ ہے کہ سود سرمایہ کاری کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔ یہ بات اب مسلمہ ہے کہ سود اور سرمایہ کاری کا آپس میں الٹا تعلق ہے۔ یعنی سود میں اضافہ سے سرمایہ کاری میں کمی اور سود میں کمی سے سرمایہ کاری میں اضافہ ہوتا ہے۔ لہٰذا سود سرمایہ کاری کو روک کر اشیاء کی پیدائش پر قدغن لگاتا ہے' جس سے رسد میں کمی آتی ہے اور اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔[۹]

اس سلسلہ میں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہو گی کہ آج کل افراطِ زر کا سب سے بڑا ذریعہ تو خود حکومتوں کی خسارہ کی سرمایہ کاری (Deficit Financing) ہے' مثلاً پاکستان میں 94-1993 کے بجٹ میں خسارہ کا تخمینہ 34.5 ارب روپے ہے جب کہ اس سال سود کی ادائیگی پر 96 ارب روپے خرچ آئے گا۔ غور کیجئے کہ کل کا کل خسارہ ختم ہو جائے اگر سود کی ادائیگی نہ کرنا پڑے۔ ان 96 ارب روپوں میں 78 ارب روپے تو اندرون ملک سے لئے گئے قرضوں کا سود ہے۔ ان حقائق کی روشنی

میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ افراط زر کا سب سے بڑا ذریعہ حلومتوں کا خسارہ اور خسارے کی سب سے بڑی مد سود کی ادائیگی ہے۔ اگر ہم معیشت کو صحیح رخ پر ڈالنا چاہتے ہیں تو سود کی ادائیگی بند کر دیں' اس سے خسارہ یکمشت ختم ہو جائے گا' بلکہ تقریباً 61 ارب روپے مزید بھی بچ رہیں گے جن سے ہم دوسرے مفید کام کر سکتے ہیں۔ اور اگر فوری طور پر غیر ملکی قرضوں کا سود نہ بھی روکا جا سکتا ہو تو اپنے لوگوں کے سود کو ختم کر کے بھی نہ صرف سارا خسارہ ختم کیا جا سکتا ہے بلکہ 43 ارب روپے بچائے بھی جا سکتے ہیں۔ اس کے باوجود یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ آج کل کے حالات میں جب کہ ملکی معیشت سود پر قائم ہے اگر کوئی شخص اپنے قرض پر کوئی اضافہ اس خیال سے مانگے کہ افراطِ زر کی وجہ سے جو کمی اصل زر کی قدر و قیمت میں ہوئی ہے اس کو پورا کیا جا سکے تو اس پر شرعی طور پر کیا اعتراض ہے' تو جواب یہ ہے کہ اس طرح کے اضافے اور سود خوار کے اضافے میں تمیز کیسے کی جا سکے گی' کیسے معلوم ہو گا کہ ایک شخص جو اضافہ لے رہا ہے وہ صرف افراط زر سے نقصان کی تلافی کا معاوضہ ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ ساری بحث محض سود کو جواز فراہم کرنے کیلئے کی جا رہی ہے۔ آج کل بھی جب ہم ایک سودی معیشت میں رہ رہے ہیں ہمارے دوست احباب میں سے کوئی ہم سے اپنی ذاتی ضرورت کیلئے قرض لے تو باوجود افراط زر کے ہم اس سے کوئی اضافہ طلب نہیں کرتے کیونکہ یہ باہمی مروت و اخوت کے خلاف ہے اور یہ بات تمام مہذب معاشروں میں ایسے ہی ہے۔ یہ ایک دوسری بات ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کو ذاتی ضرورت کیلئے قرضِ حسن نہ دے لیکن اگر دے تو وہ کچھ زائد نہیں مانگتا۔ رہی بات تجارتی اغراض کیلئے قرضوں کی اور ان پر افراط زر کے نقصان کی تلافی کا سوال' تو اگر ایک شخص کسی دوسرے کو اپنا سرمایہ اس لئے دیتا ہے کہ لینے والا اس سے تجارتی فوائد اٹھالے تو شریعت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ دینے والا' سرمایہ لینے والے سے شرکت یا مضاربت کا معاملہ کرے۔ شرکت یا مضاربت کی

صورت میں اگر قیمتوں میں اضافے کا رجحان بالعموم طور پر ہو تو وہ منافع میں اضافے کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے جس کا فائدہ لامحالہ سرمایہ دینے والے کو خود بخود ہو جاتا ہے' لہٰذا اس صورت میں ایک اور اضافہ سود کی شکل میں مانگنا کسی طرح بھی روا نہیں ہو سکتا۔

ج-سود : سرمایہ کے استعمال کا معاوضہ؟

سود کے حق میں ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ یہ سرمایہ کے استعمال کا معاوضہ ہے۔ کیا حقیقت میں ایسا ہی ہے؟ سرمایہ' زر کی شکل میں پیدا آور نہیں ہے' اسے پیدا آور ہونے کے لئے ضروری ہے کہ یہ اپنی شکل تبدیل کرے' یعنی یہ زر سے کسی طبعی اثاثہ میں منتقل ہو۔ اس صورت میں یہ پیدا آور ہو سکتا ہے۔ کسی اثاثہ کے پیدا آور ہونے سے اس کے استعمال کے ذریعہ اس میں فرسودگی پیدا ہوتی ہے' وہ قدرتی حوادث کا شکار ہوتا ہے' اس کے استعمال کے لئے بعض دوسری لاگتیں بھی لگانا پڑتی ہیں' جیسے کہ مشینوں کے لئے تیل اور بجلی وغیرہ' لہٰذا جب بھی کسی اثاثہ کو استعمال کیا جاتا ہے تو وہ اثاثہ اپنی اصل میں سے کچھ نہ کچھ ضرور کھو دیتا ہے۔ لیکن زر ایک واحد اثاثہ ہے جس کو "استعمال" بھی کر لیا جائے تو وہ ویسے کا ویسا ہی رہے اور مالک اسے ویسے ہی واپس لینے کے لئے اصرار کرے اور اس پر مستزاد ایک معاوضہ بھی مانگے۔ مادی اثاثہ جات کے استعمال پر ان کے معاوضہ کا حق اس فرسودگی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جو ان کے استعمال سے وجود میں آتی ہے' لیکن زر کے سلسلہ میں ایسی کوئی چیز اس کے "استعمال" سے لاحق نہیں ہوتی' پھر اس کے معاوضہ کا مطالبہ کس بنا پر؟ جن اثاثہ جات پر کرایہ جائز سمجھا جاتا ہے' جیسے مکانات' سواری وغیرہ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ یہ اثاثہ جات استعمال سے فرسودگی کا شکار ہوتے ہیں' یہ آفات ارضی و سماوی کا سامنا بھی کرتے ہیں' لہٰذا مالک کو ان کے استعمال کا کرایہ لینے کا حق ہے۔

ضمناً یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ سود کی وجہ سے اشیاء کے کرائے اور منافع کی

شرح میں کسی حد تک ایک استحصالی رجحان اور عدم لچک پیدا ہو جاتی ہے اور اگر سود نہ ہو تو کرایوں اور منافع کی شرحیں بھی معتد بہ حد تک کم ہو جائیں۔ اس معاملہ کو اس دلیل سے سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس ایک لاکھ روپے نقد ہوں اور اسے اس پر 15 فیصد سود گھر بیٹھے مل سکتا ہو' تو پھر وہ شخص اگر ان روپوں سے کوئی عمارت لے لے تو وہ کبھی بھی اس کا کرایہ 15000 روپے سالانہ سے کم لینا پسند نہیں کرے گا' بلکہ وہ اس سے زائد ہی مانگے گا' کیونکہ 15000 روپے تو اسے بغیر کوئی خطرہ مول لئے سود پر مل سکتے ہیں۔ یہی معاملہ منافع کا ہے۔ لیکن اگر معیشت سے سود ختم ہو جائے تو پھر نقد والے کو کچھ نہیں ملے گا۔ اگر کسی نے معاوضہ لینا ہو تو اسے کوئی پر خطر کام کرنا ہو گا جس سے معیشت میں سرمایہ کی رسد بڑھے گی اور شرح معاوضہ کم ہو جائے گی' خواہ یہ معاوضہ کرایہ کی شکل میں ہو یا منافع کی شکل میں۔

د۔ سود بحیثیت آلہ رسد و طلبِ سرمایہ؟

(Interest as a Rationing Device)

سود کے بارے میں ایک دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ سود معیشت میں سرمایہ کی راشن بندی کرتا ہے۔ جو سرمایہ میسر ہوتا ہے وہ اسے پیداآور کاموں میں لگاتا ہے حتیٰ کہ سرمایہ کی رسد و طلب برابر ہو جاتی ہے۔ اس طرح سود سرمایہ کی قیمت کے طور پر ایک اہم عامل کی حیثیت سے کام کرتا ہے۔ یہ دلیل بھی چند در چند غلط فہمیوں کا نتیجہ ہے۔

اول یہ کہ عملی زندگی میں ہم سود کی موجودگی میں بھی طلب و رسد برائے سرمایہ کو برابر نہیں دیکھتے۔ اس کی عملی اور تازہ مثال سابق حکومت کی سکیم برائے روزگار تھی جس میں 17 فی صد شرح سود کے باوجود قرض لینے والے لاکھوں تھے' جب کہ سرمایہ اتنا نہیں تھا کہ سب کو دیا جا سکے۔ اب بھی کسی بینکر کو انٹرویو کر کے دیکھ

لیں' جتنے لوگ رائج الوقت شرح سود پر قرض مانگ رہے ہیں بینک ان کے ایک بہت قلیل حصہ کو قرض دے سکتے ہیں' لہٰذا یہ کہنا کہ سود طلب و رسد کو برابر کر دیتا ہے' غلط ہے۔

'باوجودیکہ بینک قرض دیتے وقت قرض خواہ کی مالی حیثیت اور قرض کے مقصد کو دیکھتے ہیں' لیکن بے شمار قرض ایسے مقاصد پر صرف ہوتے ہیں جن سے پیدا آوری میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس کی بہترین مثال حکومت کے قرضے ہیں جو حکومت مختلف پراجیکٹس کیلئے لیتی ہے۔ قرضہ منظور کرنے سے پہلے بین الاقوامی مالی ادارے مثلاً ورلڈ بینک' ایشین بینک وغیرہ پورے پراجیکٹ کا معاشی اور مالیاتی تجزیہ کرتے ہیں اور شرح سود کے حساب سے پراجیکٹ کی موجودہ مالیت (Net Present Value) نکال کر اطمینان کرتے ہیں کہ اس پراجیکٹ سے اتنا فائدہ ہو گا کہ رائج الوقت شرح سود پر اسے قرضہ دیا جائے تو یہ پراجیکٹ اپنا قرض خود واپس کر سکے گا' لیکن عملی طور پر نصف سے زیادہ پراجیکٹ ناکام ہو جاتے ہیں۔ ایشین بینک کی ایک تازہ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ 1973ء سے 1993ء تک اس کے 40 فی صدی سے زیادہ قرضے ایسے پراجیکٹ کیلئے دیئے گئے ہیں جو نفع آور نہ ہوئے اور ناکام ہو گئے۔ اور ناکام ہونے والے قرضوں پر ضائع ہونے والی رقم 6.4 ارب ڈالر تھی۔ ایسا ہی اعتراف ورلڈ بینک کو بھی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر سود ایسی ہی جادو کی چھڑی ہے کہ اس کے ذریعے سے سرمایہ کو پیدا آور کاموں کی طرف موڑا جا سکتا ہے تو پھر اس بڑے پیمانے پر پراجیکٹ ناکام کیوں ہوتے ہیں؟

'اگر ہم اپنے ارد گرد دیکھیں تو سرمایہ عالی شان عمارتوں کی تعمیر اور بہت سے ایسے پراجیکٹ جن کی حیثیت نمائشی ہوتی ہے پر لگتا ہے' جب کہ معاشرے میں بے شمار غریب اور مفلوک الحال لوگ آباد ہوتے ہیں جو نان جویں کے بھی محتاج ہوں۔ اگر سرمایہ معاشرتی طور پر مفید کاموں میں لگایا جاتا ہو تو پھر یہ عدم توازن

کیوں ہو؟

حقیقت یہ ہے کہ سود سرمایہ کو مفید جگہوں کی طرف نہیں موڑتا' بلکہ یہ اس کا رخ انہی کاموں کی طرف موڑتا ہے جہاں سے قرض خواہ کو اپنا اصل مع سود ملنے کی امید ہو' خواہ مقصد کیسا ہی ہو۔ یہ سب اس طرح سے کیا جاتا ہے کہ ہر وقت مقصد کی اولیت کا ورد زبان پر رہتا ہے اور عملی طور پر سرمایہ کے تحفظ اور سود کی وصولی کی فکر دامن گیر ہوتی ہے۔

۵۔ سرمایہ کی قدرِ موجودہ اور قدرِ مستقبل کا فرق
(Difference Between Present and Future Value of Capital)

سود کے حق میں ایک بہت بڑی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ سود اصل میں اس فرق کو دور کرتا ہے جو کہ سرمایہ کی قدر موجودہ (Present Value) اور قدر مستقبل (Future Value) میں پایا جاتا ہے۔ مختصر الفاظ میں دلیل یوں ہے کہ اگر ایک شخص کسی کو آج 100 روپے قرض دے اور ایک سال بعد واپس لے تو ان 100 روپوں کی موجودہ یا حالیہ قدر' مستقبل کے 100 روپوں سے زیادہ ہے' کیونکہ یہ رقم آج اس شخص کے پاس ہے اور مستقبل غیر یقینی بھی ہے اور پر خطر بھی۔ چنانچہ یہ دلیل دی جاتی ہے کہ چونکہ ہر شخص کیلئے عام چیزوں کی قدر موجودہ ان کی قدر مستقبل سے زیادہ ہوتی ہے' لہٰذا اگر کوئی شخص اپنا سرمایہ اپنے سے جدا کرتا ہے اور مستقبل میں وصول کرنے پر راضی ہو جاتا ہے تو گویا عملاً اس نے ایک کم تر قدر کی وصولی پر رضامندی کی ہے۔ قدر میں اس کمی کا ازالہ یوں ہو سکتا ہے کہ اسے ایک رقم سود کے طور پر دی جائے اور اس طرح ان روپوں کی قدر مستقبل کو قدر موجودہ کے برابر کر دیا جائے۔ یہ دلیل اس قدر رائج ہے کہ تمام مالیاتی ادارے اس دلیل کی بناء پر سرمایہ کاری کا معاشی تجزیہ کرتے ہیں اور سرمایہ کا "داخلی معاوضہ" (IRR) نکالتے ہیں۔

ہمارے ملک میں پلاننگ کمیشن میں یہی فلسفہ صحیح مانا جاتا ہے اور اسی کے مطابق معاشی تجزیہ کر کے مختلف پراجیکٹس کو منظور یا رد کیا جاتا ہے۔

اس دلیل میں بہت سی کمزوریاں ہیں:

۱۔ جہاں تک کسی چیز کی قدر موجودہ اور قدر مستقبل میں فرق کا تعلق ہے تو وہ لوگ جو اتنا کماتے ہوں جتنا وہ خرچ کر لیتے ہوں تو ان کی حد تک یہ بات بالکل ٹھیک ہے' کیونکہ ان کے نزدیک ان کی آمدنی کی قدر موجودہ' قدر مستقبل سے زیادہ ہے' لہٰذا وہ حال ہی میں اسے صرف کر کے اپنے لئے زیادہ سے زیادہ تسکین کا سامان کر لیتے ہیں۔ لیکن جہاں تک مال دار طبقے کا تعلق ہے تو یہ طبقہ اپنی صرفی ضروریات کے بعد جو مال بچاتا ہے تو اس طبقہ کے لئے اس کی قدر مستقبل' قدر موجودہ سے زیادہ ہوتی ہے' یہی وجہ ہے کہ وہ بچت کرتا ہے۔ چنانچہ دنیا میں جب بھی کہیں ایک روپیہ بچایا جاتا ہے تو وہ اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ اس روپے کی حد تک قدر مستقبل' قدر موجودہ سے زیادہ ہے۔ چنانچہ یہی وہ روپیہ ہے جو مارکیٹ میں قرض کیلئے میسر آتا ہے۔ اب اس روپے پر مزید سود ادا کر کے اس کی مستقبل اور حالیہ اقدار کو برابر کرنے کا کیا مطلب؟ اگر برابر ہی کرنا ہے تو پھر صاحب سرمایہ کو چاہئے کہ وہ قرض لینے والے کو اس سرمایہ کی حفاظت کا کچھ معاوضہ دے' کیونکہ وہ اس روپیہ کی قدر موجودہ (جو کم ہے) کو اس وقت واپس کرے گا جب اس کی قدر میں اضافہ ہو چکا ہو گا۔ غرضیکہ زر کی قدر مستقبل اور قدر موجودہ کا مقدمہ محض خلط مبحث ہے۔

۲۔ یہ کہ مختلف پراجیکٹس کے معاشیاتی تجزیہ میں منافع اور لاگت کے تخمینے اور ان پر سود کا شمار سب اندازے ہوتے ہیں' اور بہت سے مفروضات پر مبنی ہوتے ہیں' جو عملی زندگی میں کبھی مرتب ہوتے ہیں اور کبھی نہیں۔ ان مفروضوں پر سود کا شمار کر کے یہ اندازہ لگانا کہ فلاں تجویز سرمایہ کاری نفع بخش ہو گی اور فلاں نہیں' کوئی محکم حکمت عملی نہیں ہے۔

"اس معاشیاتی تجزیہ میں شرح سود کا تعین بھی کسی معروضی طریقے سے نہیں کیا جاتا' یعنی یہ معلوم کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے کہ سرمایہ کاری کی لاگت اور منافع کی قدر مستقبل اور حالیہ قدر میں فرق کس شرح سے کیا جائے اور اس کی کیا وجہ ہو؟

غرضیکہ ' سرمایہ کاری کے فیصلہ کیلئے شرح سود پر مبنی جو معاشیاتی تجزیہ کیا جاتا ہے وہ کسی محکم بنیاد پر قائم نہیں ہے۔

و۔ سود اور بچتیں

بعض لوگ اس خدشہ کا اظہار کرتے ہیں کہ سود' جو کہ بچتوں کا ایک محرک ہے' کے خاتمہ کے بغیر معاشرہ میں بچتوں کی رسد کم ہو جائے گی اور اس طرح سرمایہ کیلئے رقوم کی طلب و رسد میں ایک عدم توازن پیدا ہو جائے گا۔ یہ خدشہ بھی چند ایسے مفروضوں پر قائم ہے جن کی عملی زندگی میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔ مثلاً یہ مقدمہ کہ "سود بچتوں کا محرک ہے" ایک ناقابل ثبوت مفروضہ ہے۔ بچتوں کے محرک بہت سے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ بعض لوگوں کے معاملہ میں اور بعض حالات میں سود کا لالچ بھی بچت کیلئے محرک ہو' لیکن حقیقت واقعہ یہ ہے کہ لوگ اس وقت بھی بچت کرتے ہیں جب کہ شرح سود منفی ہو' یعنی جب قیمتوں میں اضافہ کی شرح' سود کی شرح سے زیادہ ہو۔ اگر سود بچتوں کیلئے محرک ہوتا تو ایسے حالات میں بچتوں کی شرح صفر ہو جانا چاہئے۔ چنانچہ ورلڈ بینک کی 1993ء کی رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ 1991ء میں سولہ ممالک ایسے تھے جن میں شرح سود منفی تھی۔ (یعنی ان ممالک میں شرح افراط زر' شرح سود سے زیادہ تھی) لیکن بچتوں کی شرح اضافہ مثبت تھی[۱۲]۔ اس کے علاوہ 1970ء اور 1980ء کے عشروں میں بہت سے ایشیائی و یورپی ممالک میں اور خود امریکہ میں بعض سالوں میں شرح سود منفی رہی' لیکن بچتوں میں اضافہ کا رجحان بدستور رہا۔۔۔۔ اگر شرح سود اور بچتوں کا تعلق وہ ہوتا جو اس مقدمہ میں بیان کیا جاتا

ہے تو بچتوں میں کمی ہونا لازم تھی۔

اس سلسلہ میں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ کینز (Keynes) نے اپنے نظریہ میں یہ بات ثابت کی کہ بچتوں اور شرح سود کا آپس میں معکوسی تعلق ہے' یعنی اگر شرح سود زیادہ ہو تو بچتیں کم ہوں گی اور شرح سود کم ہو تو بچتیں زیادہ۔ اور اس کی دلیل بھی بہت سادہ ہے' وہ یوں کہ شرح سود' سرمایہ کاری پر قدغن لگاتی ہے' جس سے سرمایہ کاری کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے' جس سے آمدنیوں میں کمی آتی ہے' جس سے بچت میں کمی ہوتی ہے۔ لہٰذا جوں جوں شرح سود کم ہوگی' سرمایہ کاری میں اضافہ ہوگا' آمدنیوں میں اضافہ ہوگا اور بچتوں میں بھی اضافہ ہوگا۔ چنانچہ اگر ہم پاکستان ہی کے اعداد و شمار دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ 1965ء میں پاکستان میں بچتوں کی شرح 13 فی صدی تھی جب کہ شرح سود 5 فی صدی تھی اور 1985ء میں بچتوں کی شرح 5 فی صدی رہ گئی جب کہ شرح سود 16' 17 فی صدی تھی[۱۳]۔

غرضیکہ یہ مقدمہ کہ "سود بچتوں کے لئے ایک محرک ہے" معاشی طور پر قابل دفاع نہیں ہے۔ یوں بھی اگر دیکھا جائے تو یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کہ اگر سود ختم ہو جائے تو لوگ اپنی زائد آمدنی کو تکیوں کے غلافوں یا زمین دوز گڑھوں میں رکھنا شروع کر دیں گے۔ اور اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو ان کی یہ بچتیں کسی نہ کسی بینک کا رخ کریں گی جہاں سے وہ سرمایہ کاری کیلئے میسر آئیں گی۔ اس طرح سے سرمایہ کی طلب و رسد کا وہ توازن جس کے لئے سود کو ایجاد کیا جاتا ہے قائم ہو جائے گا' خواہ سود نہ بھی ہو۔

ز۔ سود اور مواقع سرمایہ کاری کی لاگت
(Opportunity Cost)

سود کے حق میں ایک دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ جب کوئی شخص اپنا سرمایہ کسی دوسرے کو دیتا ہے تو وہ گویا مستقبل کے ایسے مواقع جو اسے خود میسر آسکتے تھے' جن

کے ذریعہ وہ اس سرمایہ سے کچھ کما سکتا تھا' سے دست بردار ہو رہا ہوتا ہے' چنانچہ اس ایثار کی وجہ سے مقروض کو چاہئے کہ وہ دائن کو سود کی شکل میں کچھ زائد رقم لوٹائے۔ سود کے حق میں یہ دلیل اول اول اس زمانے میں پیش کی گئی جب عیسائی چرچ سود کے سخت مخالف تھا۔ اس پر بعض لوگوں نے ایک قدرتی مجبوری کے طور پر اس نظریہ کو پیش کیا اور بعض پادریوں نے اس کے اندر کچھ معقولیت دیکھی اور سود کی اجازت دی' جس کے نتیجے میں پھر سود اپنی تمام وسعتوں کے ساتھ معیشت میں داخل ہو گیا۔

اس دلیل میں سقم یہ ہے کہ یہ دو اشخاص کے درمیان قرض حسنہ کے لین دین اور بینک اور عام آدمی کے لین دین کے معاملہ کو یکساں سمجھتی ہے۔ ایک شخص اگر کسی بینک سے کوئی رقم قرض لیتا ہے تو بینک کو ہر وقت یہ اختیار ہے کہ اپنی رقم واپس لے لے' اگر بینک کو اس سے بہتر تجارت کی کوئی شکل درپیش آتی ہے۔ اس طرح سے اگر کسی شخص نے بینک میں کوئی رقم رکھی ہوئی ہے تو وہ بھی جب چاہے بینک سے اپنی رقم واپس لے سکتا ہے۔ ان صورتوں میں کسی موقع کے ضائع ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اول صورت میں جب بنک کسی کو کوئی رقم قرض دیتا ہے تو وہ اسی لئے دیتا ہے کہ بینک کے پاس وہ رقم فالتو ہوتی ہے اور بینک کے لئے کوئی دوسرا موقع بھی تو ایسا ہی ہو گا کہ کوئی دوسرا شخص رقم ادھار لینے آئے گا۔ اور قرض حسن کی شکل میں دونوں مواقع برابر ہیں۔ بینک کوئی اور کام تو کرتا ہی نہیں۔ جہاں تک ایک بچت کنندہ کا بینک میں رقم رکھنے کا تعلق ہے تو اگر اس شخص نے بینک میں اپنی رقم رکھی ہو' خواہ وہ مقررہ مدت ہی کے لئے ہو' تب بھی اگر اسے کوئی نفع بخش موقع میسر آتا ہے تو وہ بینک سے اپنی رقم واپس لے سکتا ہے۔ اس میں کسی موقع کے ضائع ہونے کا کوئی احتمال ہی نہیں۔ پھر اس کے معاوضہ بشکل سود کی کیا گنجائش؟

(جاری ہے)

حواشی

۱ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو

Khan, Muhammad Akram, Islamic Economics : Annotated Sources in English and Urdu (2 Vols) Leicester : The Islamic Foundation, 1983, 1991.

۲ ملاحظہ ہو

Federal Shariah Court Judgement on Riba, Lahore : Pakistan Legal Division, 1992.

۳ ایضاً

۴ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو

Kazmi, Akdas Ali, "The non-equivalence of Interest and Riba," Business Recorder, Karachi, 14 May 1992.

۵ تاریخی شواہد کے لئے ملاحظہ ہوں:

مفتی محمد شفیع' مسئلہ سود' ادارۃ المعارف کراچی' ۱۳۹۰ ہجری

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی' سود' اسلامک پبلیکیشنز لاہور' ۱۹۶۱ء

محمد یوسف الدین' اسلام کے معاشی نظریئے (دو جلدیں) مکتبہ ابراہیمیہ' حیدر آباد دکن ۱۹۵۰ء

Qureshi, A.I. Islam and the Theory of Interest, Lahore: Sh. Muhammad Ashraf, 1961.

Crone, P., Meccan Trade and the Rise of Isalm, Oxford: Basil Blackwell, 1987.

Udovitch, A.L., Partnership and Profit in Medieval Islam, New Jersey : Princeton University Press, 1970.

O' Leary, De Lacy, History of Arabia Before Muhammad, Lahore: Alliance Publishers, 1989.

۶ ملاحظہ ہو' غیر مطبوعہ کتاب:

Ahmad. Sh. Mahmud, Man and Money, Chapter 3 p.20.

۷ ایضاً

۸ ملاحظہ ہو

Fischer, S. "Indexation," in Greenworld, D., (ed.) Encyclopaedia of Economics, New York : Mc Grave-Hill Book Company, 1980 Pp 499-503.

۹ لارڈ کینز نے اس نکتہ کو بہت وضاحت سے ثابت کیا۔ اب معاشیات دانوں کے درمیان سود اور سرمایہ کاری کے معکوس تعلق پر کوئی اختلاف نہیں ہے۔

۱۰ یہ رپورٹ ۱۱۔۱۵ مئی ۱۹۹۲ء کے درمیان کوالالمپور میں منعقد کی گئی ایک کانفرنس بعنوان
Regional Seminar on Performance Evaluation in Asia and the Pacific
میں بانٹی گئی۔ مصنف ہذا کو اس سیمینار میں شریک ہونے کا موقع ملا۔

۱۱ اس موقع پر ورلڈ بینک کے نمائندے کی طرف سے بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا گیا۔

۱۲ ملاحظہ ہو
World Development Report 1992, Washington, D.C: World Bank, 1992.
(شماریاتی گوشوارے)

۱۳ پاکستان کے موجودہ اعداد و شمار دینا اس لئے مشکل ہے کہ سرکاری طور پر پاکستان میں سود ختم ہو چکا ہے' لہٰذا شرح سود شائع نہیں کی جاتی۔ مقالہ کے متن میں دیئے گئے اعداد و شمار ورلڈ بینک کی ۱۹۸۵ء کی رپورٹ سے لئے گئے ہیں۔

بقیہ: حکمت اقبال

زندگی ہے' آبِ حیات ہے' جس کے بھٹکنے سے اور دوبارہ راہِ راست پر آنے کے بغیر انسانی معاشرہ کے اندر ساری خرابیاں پیدا ہوتی ہیں' انسانیت ارتقاء کے راستہ سے ہٹ جاتی ہے' خودی کی نشوونما رک جاتی ہے اور اس کی آئندہ کی زندگی برباد ہو جاتی ہے' اس نے خدا کی اسی آرزو کو اس کے اصل مقصود سے ہٹا کر عارضی جسم کی غیر محدود خواہشات میں الجھا دیا ہے اور اس طرح سے ان لوگوں کی آخری ناکامی اور نامرادی پر مہر لگا دی ہے جو اس کے پیچھے چلیں گے۔ کیا ہم خودی کے ابدی حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے کارل مارکس کے برپا کیے ہوئے روسی نظام کو تہذیب یا دانائی کی بات کہہ سکتے ہیں؟

(جاری ہے)

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔